غیبت سے معاشرہ میں بڑے فتنے پیدا ہوتے ہیں۔
جماعت کو اپنے معاملات اس برائی سے پاک رکھنے چاہئیں

(فرمودہ ۲۳ / اگست ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

مضمون چل رہا ہے تقویٰ کی کمی کی وجہ سے یا تقویٰ کے معاملات میں گہری نظر نہ ہونے کی وجہ سے جو نقصانات ہمارے معاشرے میں پہنچتے ہیں اس سلسلے میں دو تین مثالیں خاندانی معاملات کی میں نے دی تھیں۔ ایسی بہت سی مثالیں ہیں ان سب کو یہاں پیش کرنے کا موقع نہیں ہے لیکن وقتاً فو قتاً جہاں ضرورت محسوس ہوئی میں دوبارہ اس مضمون کو پھر اٹھاؤں گا۔ چنانچہ آج میں اس مضمون کو جماعتی حالات پر چسپاں کر کے آپ کے سامنے رکھوں گا تا کہ جماعتی معاملات میں تقویٰ کی کمی یا تقویٰ کے معاملات میں لاعلمی۔ یہ دونوں باتیں جماعت کو شدید نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ بعض ایسے لوگ ہیں جو فی ذاتہٖ جہاں تک فرائض کا اور عام نوافل کا تعلق ہے خدا تعالیٰ کے فضل سے متقی ہوتے ہیں۔ جماعت کے لئے بڑی بڑی قربانیاں کرنے والے، پابند صوم وصلوۃ اور نہ صرف فرضی چندوں میں بلکہ طوعی چندوں میں بھی بڑے تقویٰ کے ساتھ شرائط کے مطابق خدمت دین کرنے والے ہیں لیکن بعض معاملات میں جبکہ امیر اور عاملہ کے معاملات ہوں یا بعض لوگوں کے جو کوئی عہدیدار نہیں ہیں امیر یا عاملہ سے واسطے پڑتے ہوں ایسے تعلقات کے دائرے میں بعض دفعہ وہ بے حد غیر متقیانہ باتیں شروع کر دیتے ہیں اور آدمی حیران ہو جاتا ہے کہ ان سے یہ توقع نہیں تھی اس لئے اس مضمون کو

مختلف جہتوں سے کھول کر آپ کے سامنے بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

اس سے پہلے بار ہا گزشتہ چند سال میں مجھے بعض ملکوں سے ان معاملات میں فتنوں کی بُو آئی جس طرح جلنے کی بُو آئی تھی۔ خدا کے فضل سے میری قوت شامہ بھی تیز ہے اور اندرونی حس جس سے فتنوں کی بُو آ جاتی ہے وہ بھی بہت تیز ہے۔ چنانچہ جب میں نے تحقیقات کیں تو رفتہ رفتہ بہت سے فتنوں کے عوامل عمل پیرا دکھائی دیئے جو اندر اندر کام کر رہے تھے اور تحقیقات کے دوران بہت ہی افسوسناک تعجب ہوا کہ ہمارے سلسلہ کے تجربہ کار مربی اور بعض صورتوں میں بعض امراء بھی ان چیزوں میں باقاعدہ ملوث تھے۔ جہاں تک ان کی وقف زندگی کا تعلق ہے میں یقین رکھتا ہوں کہ بڑے خلوص اور تقویٰ کے ساتھ انہوں نے زندگی وقف کی، جہاں تک ان کی ان نیتوں کا تعلق ہے جو انہوں نے اپنی نظر کے سامنے رکھی ہوئی تھیں تو اس کے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ نیتیں صاف تھیں لیکن وہ نیتیں وہ تھیں جو انہوں نے عمداً خود سجا کر اپنی نظر کے سامنے رکھیں اور یہ وہ سب سے بڑا انسانی فطرت کا خطرہ ہے جو انسان کو دھوکے میں مبتلا کر دیتا ہے اور قرآن کریم نے جو فرمایا کہ شیطان وہاں سے حملہ کرتا ہے جہاں سے تمہیں دکھائی ہی نہیں دیتا۔ تو یہ وہ حکمت ہے کلام الٰہی کی جسے اگر ہم سامنے رکھیں تو بعض دفعہ ایسے الجھے ہوئے معمے بھی حل ہو جاتے ہیں کہ ایک شخص متقی ہے اس سے ان باتوں کی توقع نہیں لیکن پھر بھی وہ باتیں کر رہا ہے۔ ہم قرآن کریم کی پیش کردہ اس حکمت کی رو سے اس معاملے کو یوں حل کریں گے کہ وہ وہاں سے ڈسا گیا ہے جہاں سے سانپ اس کو دکھائی ہی نہیں دیا تھا۔ حملہ اس پر ایسی جگہ سے ہوا ہے جہاں اس کی نظر نہیں تھی لیکن صرف یہ کہنا اس کے دفاع میں کافی نہیں کیونکہ قرآن کریم دوسری جگہ اس مضمون کو یوں بیان کرتا ہے کہ انسان اپنے نفس کے حالات کو سمجھنے کی استطاعت رکھتا ہے۔ وہ اگر کوشش کرے تو یقیناً جان سکتا ہے کہ اس کے نفس کے پردوں کے پیچھے کیا کیا فتنے چھپے بیٹھے ہیں۔ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ (القیامہ:۱۶) خواہ وہ بعد میں بے شمار عذر بھی پیش کرے اور کوشش کرے یہ ثابت کرنے کی کہ جو کچھ اس نے کیا تھا اس کا جواز موجود تھا۔

پس ایک پہلو سے ہمیں یہ سمجھ آ جاتی ہے کہ انسان بعض دفعہ عمداً بالارادہ یعنی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر فتنے کو قبول نہیں کرتا لیکن اس کی فطرت ان فتنوں پر پردے ڈالتی ہے اور نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہو کر وہ اپنی دانست میں بڑی نیکی کی باتیں کر رہا ہوتا ہے۔ جہاں تک روزمرہ کی زندگی

میں دوستوں سے تعلقات کا معاملہ ہے یا خاندان میں رشتہ داروں کے رشتہ داروں سے معاملات کا تعلق ہے یہ بھی ان چیزوں سے بہت متأثر ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق میں بارہا خطبات دے چکا ہوں لیکن ان سے بہت زیادہ اہمیت یہ باتیں اس وقت اختیار کر جاتی ہیں جبکہ جماعت کے عہدیداران ان باتوں میں ملوث ہو جائیں کیونکہ پھر یہ ان کے نفس کی برائی نہیں رہتی بلکہ پوری جماعت کو ایک خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔

میں نے پہلے بھی بارہا اس طرف جماعت کو توجہ دلائی ہے کہ ایک انسان کے ذاتی گناہ ہیں وہ چاہے کسی مقام پر ہو اگر وہ دیانتداری سے کوشش کر رہا ہے، دعا کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے حالات پر پردہ ڈالے ہوئے ہے تو کسی دوسرے کو حق نہیں نہ نظام جماعت کو نہ کسی فرد کو کہ وہ کریدے اور تجسس کرے اور کوشش کرے کہ اس کی چھپی ہوئی بدیاں باہر نکل آئیں اور پھر وہ اس کو طعنہ دے سکے کہ تم یہ ہو اور یہ کرتے ہو لیکن جہاں وہ بدیاں باہر آجائیں وہاں نظام جماعت کو اختیار نہیں ہے کہ ان سے آنکھیں بند کرے کیونکہ اب یہ معاملہ اس کا اور خدا کا نہیں رہا نظام جماعت کا بن گیا ہے۔ خدا مالک ہے، وہ بخشش چاہے تو ہر گناہ کو بخش سکتا ہے اور کوئی نہیں جو اس کی بخشش کا ہاتھ روک سکے مگر نظام جماعت غلام ہے اور ایک ادنیٰ غلام ہے اس مالک کا جس نے نظام جماعت کو بعض اختیارات دیئے ہیں اور بعض اختیارات نہیں دیئے۔ وہاں بخشش اور رحم و کرم کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ وہاں تقویٰ اور انصاف کے ساتھ اپنی حدود کے اندر رہتے ہوئے وہ کارروائی کرنے کا سوال اٹھتا ہے جو قرآن کریم اور سنت اس سے تقاضا کرتی ہے۔ بعض دفعہ میں نے بعض معاملات میں جماعت کے عہدیداران کو پکڑا یا بعض افراد جماعت کو تو انہوں نے ہمیشہ مجھے کہا کہ آپ تو بخشش کی تعلیم دیتے ہیں، آپ تو کہتے ہیں خدا اتنا مہربان ہے، خدا ایسا ہے جو تمام عمر کے گناہوں میں ملوث انسان کو جس کے متعلق دنیا فتویٰ دے دے کہ یہ کبھی معاف نہیں ہوگا اس کو بھی معاف کر سکتا ہے اور آپ ہماری چھوٹی سی غفلت کو معاف نہیں کرتے۔ اس کے جواب میں میں انہیں یہی کہتا ہوں کہ میں نے یہ جو صفات بیان کی تھیں اپنی نہیں بلکہ خدا کی بیان کی تھیں اور بحیثیت مالک خدا کو یہ اختیار ہے۔ جو جو اختیار خدا نے مجھے دیئے ہیں بحیثیت مالک ان میں اللہ تعالیٰ مجھے توفیق عطا فرمائے کہ میں خدا کی صفات کا نمونہ بنوں اور ان کے مطابق جہاں تک مجھ سے ممکن ہے بخشش سے کام لوں لیکن جہاں خدا تعالیٰ کی بخشش اپنی جگہ مگر

جہاں اس کی مالکیت اپنے جلال سے جلوہ گر ہو اور مجھے اختیار نہ دے کہ ان معاملات میں میں اپنے ذاتی رحم سے کام لیتے ہوئے کسی کو معاف کروں وہاں میں بے اختیار رہوں۔

آنحضرت ﷺ کی بعض مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ حد سے زیادہ یعنی حد سے زیادہ تو نہیں کیونکہ حد سے زیادہ جو چیز بڑھ جائے وہ خلق کے مقام سے آگے نکل جاتی ہے یا گر جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ بخشش کی آخری حدوں کو چھو رہے تھے جس کے بعد بخشش کی کوئی حد نہیں ہے۔ خدا کے بعد کبھی کوئی انسان اتنا رحم کرنے والا، اتنا بخشنے والا دنیا میں نہ پیدا ہوا نہ آئندہ ہوگا جیسا کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ تھے مگر جہاں خدا تعالیٰ نے آپ کو نگران بنایا تھا، جہاں بعض اصولوں کی حفاظت کا سوال تھا وہاں بعض دفعہ آپ نے ناراضگی کا ایسا اظہار کیا کہ کسی صورت معاف کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے جب تک خدا نے الہاماً آپ کو اس بات پر پابند نہیں فرمایا کہ اس معاملے میں میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ معاف کر دو، درگزر سے کام لو۔ مثلاً وہ تین صحابہ جو پیچھے چھوڑے گئے تھے جو جہاد میں شریک نہیں ہو سکے تھے ان کے متعلق آتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ ان سے ناراض ہوئے تو ان کی گریہ وزاری، ان کی ایسی حالت کہ گویا وہ اس غم سے ہلاک ہو جائیں گے آپؐ کے دل پر اثر نہیں کر سکتی تھی۔ آپؐ نے معاف نہیں فرمایا جب تک خدا تعالیٰ نے معاف نہیں فرما دیا اور اس دوران آپ خود بھی غم میں مبتلا تھے۔ یہ وہ مضمون ہے جو بعض لوگ اپنی نادانی میں نہیں سمجھتے۔ بعض دفعہ ایک امیر، بعض دفعہ ایک خلیفہ کسی شخص کے خلاف ایک سخت کارروائی کرتا ہے مگر دل کی سختی کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی مجبوری کی وجہ سے اور اس کا دل بعض دفعہ اس شخص سے بھی زیادہ سزا پاتا ہے جس کو وہ سزا دے رہا ہے۔ چنانچہ ان تین صحابہ کے متعلق جن کے متعلق قرآن کریم میں ذکر آیا ہے روایت ہے وہ خود بیان کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں جبکہ ہم پر ہماری زندگی، ہمارا جینا، ہمارا کھانا پینا سب کچھ حرام ہو چکا تھا ایک ہی چیز تھی جو ہمیں زندہ رکھے ہوئے تھی وہ یہ تھی کہ کبھی کبھی اچانک آنحضرت ﷺ کو ہم اپنی طرف اس طرح دیکھتے ہوئے، اچکتی ہوئی نظر سے دیکھتے ہوئے پکڑ لیتے تھے کہ جو رسول اللہ ﷺ کو خیال نہیں تھا کہ ہم ان کو دیکھ لیں گے۔ اس نظر میں شفقت تھی، اس نظر میں رحم تھا۔ یہ وہ مختصر سی غذا تھی جو کبھی کبھی ان کو ملتی رہتی تھی جو ان کی زندگی کا باعث بنی ہوئی تھی۔

تو یہ بحث نظام جماعت سے نہیں اٹھائی جائے گی کہ یہ معاملہ بخشش سے تعلق رکھتا ہے،

رسول اللہ ﷺ بے انتہاء بخشش کرنے والے تھے، اللہ تعالیٰ بے انتہاء بخشش کرنے والا ہے اس لئے نظام جماعت کے اوپر جو چاہے جس طرح چاہے ہاتھ ڈال دے، جس طرح چاہے اپنے بڑوں کی بے عزتیاں کرے، نظام جماعت سے لاپروائی سے پیش آئے اور گستاخی سے پیش آئے، عدم تعاون کرے اور ان باتوں پر اصرار کرے اور پھر اس کا تقاضا ہو کہ مجھے ضرور معاف کیا جائے۔ ایسی صورتوں میں بھی بعض دفعہ انفرادی طور پر معافی کی گنجائش ہوتی ہے مگر جب یہ باتیں فتنوں پر منتج ہوں تو ایسے موقع پر لازماً سختی کرنی پڑتی ہے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں جو میرے سامنے ہیں کیونکہ میں نے جیسا کہ بتایا ہے مختلف وقتوں میں، مختلف ممالک میں، مختلف فتنے اٹھنے لگے اور اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی کہ بروقت ان کا صحیح تجزیہ کیا جائے، ان کو وقت پر پکڑا جائے اور دبا دیا جائے، سمجھا کر، منتیں کر کے بھی لیکن خدا نے فضل فرمایا جماعت کے وقار کو قائم رکھتے ہوئے جس طرح پیش گئی ان فتنوں سے نمٹا گیا اور خدا کے فضل سے ایک آدھ کے سوا کوئی شخص ضائع نہیں ہوا۔ جبکہ یہ خطرہ تھا کہ جماعتوں کی جماعتیں پھسل سکتی تھیں۔

اب میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ایسے معاملات کو ساری جماعت کے سامنے رکھوں گا کیونکہ ان باتوں پر پردہ پوشی جہاں تک ذاتیات کا تعلق ہے وہ تو جائز ہے اور مناسب بھی ہے لیکن جہاں تک مثالوں کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں ان باتوں سے متعلق مزید پردہ پوشی سے کام لینا جماعت کے لئے نقصان دہ ہو گا کیونکہ بہت سے لوگ آج عہدوں پر فائز نہیں ہیں کل عہدوں پر فائز ہوں گے۔ بہت سے ہیں جو آج ایک غلطی نہیں کر رہے کل ایک غلطی کر سکتے ہیں اور ان بیچاروں کو پتا ہی نہیں کہ ان معاملات میں اس سے پہلے میں کیا اقدام کر چکا ہوں اور میں نے ان معاملات کو کس طرح سمجھا اور کیا کیا غلط فہمیاں تھیں فتنہ پیدا کرنے والوں کو جن کی غلط فہمیاں دور کی گئیں اور خدا کے فضل سے وہ مزید ٹھوکر سے بچ گئے اس لئے چند مثالیں آپ کے سامنے رکھوں گا بغیر نام کے چھوٹی چھوٹی باتوں سے کس طرح فتنے شروع ہوتے ہیں اور یہ مضمون آئندہ بھی شاید ایک دو خطبات میں اسی طرح جاری رہے۔

یہ تو تمہید ہے اس میں بھی کافی وقت لگ گیا ہے اس لئے آج تو مختصراً چند چھوٹی چھوٹی باتوں کا ذکر کروں گا۔ سب سے پہلے میں چغلی یعنی غیبت کے متعلق آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں جس کے متعلق قرآن کریم نے بہت ہی سخت الفاظ میں مومنوں کو متنبہ فرمایا ہے۔ حالانکہ غیبت

بظاہر ایک چھوٹی سی بات ہے عام زبانوں کا چسکا ہے یا کانوں کا چسکا ہے جو مردوں، عورتوں میں ہر جگہ پایا جاتا ہے اور یہ ایک ایسی بیماری ہے جو ساری دنیا کی سب قوموں میں عام ہے۔ مشرق میں بھی ہے اور مغرب میں بھی سب میں یہ بات پائی جاتی ہے۔ قرآن کریم نے کیوں اس پر اتنی سختی فرمائی۔ یہاں تک فرمایا جو غیبت کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ بہت ہی مکروہ مثال ہے یعنی مکروہ ان معنوں میں کہ اس کے فعل کی کراہت کو بہت کھول کر بیان فرمایا گیا ہے۔ مردہ بھائی کا گوشت کھانا، اوّل تو بھائی کا گوشت کھانا بہت ہی خوفناک بات ہے پھر مردے کا گوشت کھانا۔ یہ مثال کیوں دی گئی اس میں کئی حکمتیں ہیں؟ ایک حکمت تو ظاہر ہے کہ وہ اپنا دفاع نہیں کرسکتا۔ دوسرے اگر دفاع نہ بھی کرسکتا ہو تو یہ حرکت بہت مکروہ ہے اور کسی کا گوشت کھانے والی بات ہے۔ تیسرے کسی کی بوٹی نوچی جائے تو اس کا نقصان پہنچتا ہے، اس کا خون بھی کم ہوتا ہے، اس کا گوشت کا ٹکڑا بھی اس کے جسم سے اترتا ہے اور اگر کسی کو علم نہ ہو کہ میرے ساتھ یہ کیا جارہا ہے تو اس کو یکطرفہ نقصان پہنچتا رہتا ہے اور عملی دنیا میں غیبت یہی سب کام کرتی ہے۔

اس سلسلے میں اگر مزید غور کیا جائے تو غیبت کی ایک تعریف بھی سمجھ میں آجاتی ہے۔ ایک ایسی تعریف جس پر عموماً لوگوں کی نگاہ نہیں ہے وہ یہ ہے کہ کوئی شخص کوئی ایسی بات کرے جس کے نتیجے میں سننے والے لوگوں کے اندر کسی اور شخص کا یکطرفہ طور پر احترام کم ہو جائے اور نیت یہ ہو کہ اس کو نقصان پہنچانا ہے لیکن اگر بغیر نیت کے بھی ایسا فعل کیا جائے اور نقصان پہنچ جائے تو وہ بھی غیبت ہے۔ جہاں تک نیتوں کا معاملہ ہے یہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ نیت کیا تھی کیونکہ انسان نیت پر نظر نہیں رکھ سکتا اس لئے اگرچہ اعلیٰ تعریف غیبت کی یہی ہے کہ کوئی انسان اس نیت سے کسی کے غیبوبیت میں اس کی غیر حاضری میں، اس کا ایسا ذکر کرے جس کے نتیجے میں سننے والوں کے دلوں میں اس کا احترام کم ہو جائے اور اس کو موقع نہ ہو دفاع کا۔ اس کو نقصان پہنچ جائے لیکن اس کو علم نہ ہو کہ مجھے نقصان پہنچ گیا ہے یہ غیبت ہے۔ اسی لئے ایک موقع پر جب آنحضرت ﷺ نے کسی شخص کی غیر حاضری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایسی بات کی جو اس کے متعلق اس کی کمزوری سے متعلق ایک امر واقعہ کا بیان تھا تو اس حکمت کو نہ سمجھنے کے نتیجے میں محدثین مشکل میں پڑ گئے۔ وہ حیران تھے کہ رسول اکرم ﷺ نے نعوذ باللہ غیبت کر دی اور اس کی بڑی بڑی تشریحیں کرنے لگے حالانکہ امر واقعہ

یہ ہے کہ اس موقع پر جو بات ہوئی اس کا تعلق اس شخص کی عزت کو یکطرفہ نقصان پہنچانے سے نہیں تھا۔ نہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی یہ نیت تھی ، نہ حضرت عائشہ کا اس سے کوئی ایسا تعلق تھا کہ اس کا مقام حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل میں گرنے کے نتیجے میں کوئی نقصان پہنچے۔

ایک پہلو اس حدیث کا ایسا ہے جو لوگوں کے زیر بحث نہیں آیا اور میرے نزدیک وہ سب سے اہم پہلو ہے۔ وہ یہ ہے کہ بعض دفعہ انسان ایک ایسی بات کسی شخص کے متعلق کسی کو بتاتا ہے کہ وہ بات حقیقت پر بھی مبنی ہوتی ہے اس کی نیت نقصان پہنچانے کی نہیں ہوتی بلکہ مخاطب کو نقصان سے بچانے کی نیت ہوتی ہے۔ اس کو متنبہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ ایک شخص ہے جس میں یہ بات ہے اس لئے اس سے بچو۔ اگر وہ حقیقت پر مبنی ہو اور اس نیت سے ہو اور مزید براں اگر ساتھ یہ نیت بھی شامل ہو کہ وہ شخص اگر اس بات کو سنے گا تو مانے گا تو نہیں لیکن اس کو تکلیف پہنچے گی تو اس تجزیے میں یہ ہرگز غیبت نہیں بلکہ نہایت ہی پُر حکمت فعل ہے۔ وہ جو حدیث زیر بحث ہے اس کے متعلق میں سمجھتا ہوں یہی اس کی سچی تشریح ہے کہ بسا اوقات جیسا کہ ہم عام روزمرہ معاملات میں دیکھتے ہیں ایک شخص کے متعلق بعض باتیں ہیں جو ایک مجلس کے محدود افراد جانتے ہیں اور ان کے علم میں کوئی اضافہ بھی نہیں ہو رہا ہوتا وہ اس شخص کے متعلق بات چلتی ہے جب وہ اچانک اندر داخل ہوتا ہے تو سب خاموش ہو جاتے ہیں۔ کیوں خاموش ہو جاتے ہیں؟ اس لئے نہیں کہ وہ جھوٹ بول رہے تھے، اس لئے نہیں کہ وہ اس کے علم کے بغیر اس کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے بلکہ اس لئے خاموش ہو جاتے ہیں کہ اس کو تکلیف نہ پہنچے، اس کو اذیت نہ ہو اور غیبت کے مضمون میں اذیت نہ پہنچانے کا مضمون داخل ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس مضمون کو مزید اس طرح واضح فرمایا کہ آپ نے فرمایا کہ وہ شخص جو کسی کی غیبت کرتا ہے جس سے وہ غیبت کرتا ہے اگر وہ بات اپنے تک رکھے اور آگے نہ پہنچائے تو اس غیبت کی مثال ایسی ہی ہوگی جیسے کوئی کسی کی طرف تیر پھینکے اور وہ تیر اس کو نہ لگے اور لگنے سے پہلے پہلے اس کے قدموں میں گر جائے۔ فرمایا وہ شخص جو غیبت کو سن کر آگے اس شخص تک پہنچاتا ہے جس کے متعلق بات کی گئی تھی اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے وہ پاس کھڑا ہو جب وہ تیر قدموں میں گرا ہو۔ قدموں سے اُٹھا کر اس کے سینے میں گھونپ دے (حوالہ۔۔)۔

تو دیکھیں کتنی عظیم الشان پُر حکمت تعریف ہے غیبت کی اور غیبت سے مناہی کا فلسفہ بیان

فرمادیا۔ اصل مراد یہ ہے کہ بھائی سے کسی بھائی کو تکلیف نہ پہنچے۔ اگر انسان غائبانہ تکلیف اس طرح پہنچانا چاہے کہ اس کے خلاف کسی کے کان بھرے تو یہ بات اس تک پہنچے نہ پہنچے یہ غیبت بن جائے گی۔ اگر اس نیت سے نہ بھی کی ہو اور بات کسی کے خلاف کہی ہو تو جس نے سنا ہے اس کے پاس یہ امانت ہے اس کا فرض ہے کہ اس میں خیانت نہ کرے۔ یا تو اس کو ٹوک دے اور سمجھائے کہ تم نے ایک شخص کے متعلق غائبانہ بات کر دی، تمہارے لئے مناسب نہیں تھا یا پھر اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ بات آگے پہنچانے سے احتراز کرے کیونکہ جب اس نے بات سنی اور خاموشی اختیار کی تو وہ لازماً اس کا مؤید بن گیا۔ اس صورت میں یہ غیبت ان معنوں میں نہ رہی جن معنوں میں میں ایک حصے کی تعریف کر چکا ہوں۔ یعنی ایک شخص نے ایک ایسے شخص سے بات کی کسی شخص غائب کے متعلق جس کی اس برائی میں دونوں متفق ہیں تو کیا نقصان ہوا اس شخص کو جب دونوں متفق ہیں تو بات کہنے والے نے کوئی ایسی بات نہیں کہی جس سے کسی کو غائبانہ نقصان پہنچا لیکن جب وہ سننے والا وہاں اتفاق کرنے کے بعد پھر تکلیف اٹھا کر دوسرے شخص تک پہنچتا ہے اور اسے وہ بات بتاتا ہے تو اس کی مثال وہی ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے واضح فرمایا جیسے تیر کسی کی طرف چلایا گیا ہو، لگا نہ ہو، اس کے سامنے قدموں میں جا پڑے اور کوئی شخص اٹھا کر اس کے سینے میں گھونپ دے۔ وہ زیادہ ظالمانہ فعل ہے کیونکہ پہلے شخص نے تو کم سے کم کچھ احتیاط کی تھی کہ اس کو تکلیف نہ پہنچے لیکن دوسرے شخص نے سفا کی سے کام لیا ہے اس لئے غیبت کی اس تعریف کو پیش نظر رکھنا چاہئے **لیکن بعض دفعہ یہ معاملہ الجھ جاتا ہے جبکہ جماعتی معاملات ہوں اور نظام جماعت کے متعلق باتیں ہوں اور کوئی شخص کوئی بات کہیں کرتا ہے تو کیا اس بات کو متعلقہ عہدیدار تک نہ پہنچانا یہ مناسب ہے یا پہنچا دینا غیبت ہوگا؟ یہ ایک ایسا مضمون ہے جس پر مزید روشنی ڈالنی ضروری ہے۔**

پہلے حصّے کے متعلق میں جتنی روشنی ڈال چکا ہوں، جن لوگوں سے اس واقعہ کا تعلق ہے وہ بھی خطبہ سنیں گے اور وہ سمجھ چکے ہوں گے اور میں امید رکھتا ہوں کہ اس نصیحت سے فائدہ اٹھائیں گے لیکن ایک دوسرا حصّہ ہے جس کو مزید وضاحت سے بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

میرے پاس بسا اوقات کئی دوست تشریف لاتے ہیں اور وہ بعض لوگوں کے خلاف بات کرتے ہیں عموماً میں ان کو روک دیتا ہوں۔ اگر ایسی بیوی آئی ہے جو خاوند سے ناراض ہے، خاوند آیا

ہے جو بیوی سے ناراض ہے، رشتے داروں کے جھگڑے ہیں تو میں ان کو سمجھاتا ہوں کہ جہاں تک تکلیف کے اظہار کا تعلق ہے اور دعا کے لئے تحریک کرنے کا تعلق ہے میرا دل کھلا ہے تم مجھ سے اپنے سب آزار بیان کرو لیکن میاں بیوی کے اور رشتے داروں کے ایسے اختلافات جو شرعی تنازعہ بن سکتے ہیں ان کے متعلق میں تمہیں اجازت نہیں دوں گا کہ کوئی بات کرو کیونکہ آخری صورت میں ان کا تنازعات کی اپیل مجھ تک پہنچتی ہے اصولاً اور میرے لئے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ میں ایسے تنازعے میں یکطرفہ باتیں سن لوں جن کا یکطرفہ اثر میرے دل پر قائم ہو جائے اور بعد میں اس بات کا احتمال موجود ہو کہ کسی وقت میں فیصلے کی کرسی پر بیٹھا ہوں اور وہی باتیں مجھ تک پہنچ رہی ہوں۔ ان پرانے اثرات کو مٹانا پھر آسان نہیں ہوتا اور اگر میں یہ باتیں سنوں اور دوسرے فریق کو پھر موقع دوں تو میری ساری عمر انہی جھگڑوں کو طے کرنے میں گزر جائے گی یعنی خلافت کا کام ہی اور کوئی نہیں رہا سوائے اس کے کہ ساس کی باتیں سنے اور پھر بہو سے گفتگو کرے اور پھر بہو کے جوابات سنے اور ساس تک پہنچائے یا اختلاف کرنے والے میاں بیوی کے درمیان ایک Go Between بنا رہے یعنی ادھر سے ادھر بیڈمنٹن کی چڑیا کی طرح۔ یہ تو خلافت کا کام نہیں ہے۔ بعض لوگ احتجاج کرتے رہتے ہیں لیکن میں بھی جواباً ان کو کہتا رہتا ہوں کہ نہیں بس میں نے نہیں سننی۔ دعا کی حد تک کہو اس سے آگے نہ بڑھو۔

یہی طریق تمام امراء کو اختیار کرنا چاہئے جن کے پاس قضاء کے آخری جھگڑے پہنچنے والے ہوں۔ اگر ان کے پاس وقت ہے اور وہ معاملہ سلجھانے کی خاطر نہ کہ قضاء کے نمائندے کی حیثیت سے وہ ایک فریق کی بات سننا چاہتے ہیں تو اگر انہوں نے دوسرے فریق کو بعینہٖ موقع نہ دیا تو یہ ناانصافی ہوگی۔ پھر چغلی میں شریک ہونے والی بات ہوگی اور دوسرے فریق کو بات پہنچانا یہ چغلی نہیں ہے۔ یہ معاملہ ہے جو میں وضاحت سے آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ جن لفظوں میں کسی نے شکایت کی ہے انہی لفظوں میں وہ بات پہنچائی جائے۔

صرف یہی ایک صورت نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ جماعتی شکایات بھی مجھے بعض امراء کے خلاف بڑے بڑے سخت لفظوں میں ملتی ہیں۔ بعض عہدیداران دوسرے عہدیداران کے خلاف بڑے بڑے سخت لفظوں میں لکھ دیتے ہیں اور بعض دفعہ یہ بھی مناسب نہیں ہوتا کہ اس شخص کا نام بھی لکھا جائے لیکن جس کے خلاف شکایت ہے اس کا حق ہو گیا مجھ پر کہ میں اس کو بتاؤں کہ تمہارے خلاف

یہ شکایت ہے۔ چنانچہ میں پوری احتیاط کے ساتھ پرائیویٹ سیکرٹری کو سمجھاتا ہوں کہ یہ کلمے تم نے نہیں لکھنے یہ اس کے دل کی تلخی ہے اور اگر یہ کلمے ہم اس تک پہنچائیں گے جس شخص کے متعلق اس نے بات کی ہے تو وہ فتنہ شروع ہو جائے گا جس سے روکنے کے لئے قرآن کریم نے غیبت سے رکنے کی تعلیم دی ہے لیکن انصاف کے تقاضے کی حد تک جو شکایات کی روح ہے، جو شکایات کا حقیقی مضمون ہے وہ اس شخص تک پہنچانا ضروری ہے جس کے خلاف یکطرفہ شکایت کی گئی ہے ورنہ یہ بھی غیبت بن جائے گی۔ پس یہ دو انتہائیں ہیں جن کے درمیان قائم رہ کر قدم اٹھانا ہی پل صراط پر سے کامیابی سے گزرنا ہے۔ جہاں ان باتوں سے لاعلمی کی وجہ سے یا تقویٰ کی کمی کی وجہ سے لوگ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی ٹھوکریں کھا جاتے ہیں وہاں ان سے بعض دفعہ جماعت میں بہت بڑے بڑے فتنے پیدا ہو جاتے ہیں۔

اب میں آپ کو اس مثال کو مزید واضح کر کے بتاتا ہوں۔ ایک شخص ہے جس نے جماعت کے معاملے میں غیرت کا اظہار نہیں کیا۔ ایک شخص ایک غیر ہے مثال کے طور پر ایک مجلس میں وہ سلسلے کے متعلق بیہودہ باتیں کرتا ہے، ایک احمدی وہاں بیٹھا ہوا ہے ایک اور غیر احمدی بھی بیٹھا ہوا ہے۔ ایک غیر احمدی اٹھ کر سلسلے کا دفاع کرتا ہے لیکن احمدی کو توفیق نہیں ملتی۔ یہ ایک قسم کی منافقت ہے اس میں کوئی شک نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اس لفظ منافقت کو استعمال کئے بغیر اگر اس شخص کی اصلاح ممکن ہو تو کیوں نہ کی جائے، اسے کیوں نہ سمجھایا جائے؟ اس کی بجائے اگر یہ معاملہ انسان امیر تک پہنچا دے تو اس کو اس ذمہ داری کے ساتھ پہنچانا چاہئے کہ میں اس نیت سے اس وجہ سے آپ کو بتا رہا ہوں اس معاملے میں اقدام کریں اور اس سے پوچھیں یا اس کو سمجھائیں تو یہ بھی غیبت نہیں ہے۔ یہ ایک فرض ہے جو پورا کرنا ضروری تھا لیکن اگر امیر وہاں ہاں میں ہاں ملا کر بیٹھ جائے اور دونوں اپنی طرف سے یہ فتویٰ صادر کر کے مطمئن ہو جائیں کہ ہاں یہ منافقت ہے تو یہ غیبت بن جائے گی اور اس غیبت میں دونوں شریک ہوں گے۔ امیر بھی شریک ہوگا اور پہنچانے والا بھی شریک ہوگا۔ یہ ایک بہت تکلیف دہ چیز ہے جو آئندہ خطرناک نتائج پیدا کرسکتی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ کہنے والے کی نیت کیا تھی اور یہاں وہ نیتوں کا گہرا مضمون ہے جس کے متعلق میں روشنی ڈال رہا ہوں کہ نیتوں کی جڑیں بعض دفعہ اتنی گہری ہوتی ہیں کہ انسان خود واقف نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ بڑی مشقت اور محنت سے اس

بات کی عادت ڈالے کہ سب سے زیادہ تنقید اپنے نفس پر کیا کرے اور سب سے زیادہ تنقید اپنے دل کی گہرائی سے اٹھنے والے خیالات پر کیا کرے۔ پہچان تو لیا کرے کہ وہ ہیں کیا؟ بعد میں ان سے بچ سکے نہ بچ سکے یہ ثانوی معاملہ ہے۔ اگر بعد میں ان سے نہ بھی بچ سکے تو اس کا کم نقصان دوسروں کو پہنچے گا اگر وہ پہچانتا ہو کہ یہ ہے کیا چیز، یہ چیز کیا تھی اور یہ جو بات میں بیان کر رہا ہوں میرے سامنے بہت سے ایسے معاملات ہیں ان پر میں چسپاں کر کے آپ کو بتا رہا ہوں یہ بالکل حقیقت ہے کہ ایک ایسا شخص جو اپنے نفس کی کمزوریوں سے آگاہ ہوا گر وہ کمزوریوں سے، بعض کمزوریوں سے نہ بھی بچ سکے اس کا جماعتوں کو نقصان نہیں ہوا کرتا الاّ ماشاء اللہ۔ سوائے اس کے کہ وہ شریر النفس ہو۔ اس کی ذات کو نقصان پہنچتا ہے اور کیونکہ وہ بچنے کی کوشش کرتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ بسا اوقات اس کو معاف بھی فرما دیتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ اس کی اصلاح بھی فرما دیتا ہے لیکن جو شخص واقف ہی نہیں ہے کہ میرے دل میں یہ بات کیوں اٹھی اور یہ اقدام میں نے کیوں کیا وہ بعض دفعہ اپنی ہلاکت کا بھی موجب بن جاتا ہے اور بعض دفعہ دوسروں کی ہلاکت کا موجب بھی بن جاتا ہے۔ اب یہ چھوٹی سی مثال ہے بظاہر کتنی معصوم سی بات ہے کہ ایک شخص نے ایک احمدی کی دینی بے غیرتی کا علم پا کر امیر سے اس کے متعلق بات کی اور شکوہ کیا اور دونوں اس بات میں شریک ہو کر خاموش ہو گئے۔ اب وہ کیوں ایسا ہوا؟ اصل بات یہ ہے اگر وہ اپنے دلوں کو ٹٹول کر دیکھیں تو ان دونوں نے کچھ نہ کچھ لطف اس بات کا اٹھایا کہ وہ تو کمزور ہے لیکن ہم نہیں ہیں، وہ دینی لحاظ سے بے غیرت ہے لیکن ہم نہیں ہیں۔ ہم اس چیز کو نفرت کی نظر سے دیکھ رہے ہیں اور بتانے والے نے بھی اگر اس نیت سے بتایا ہوتا کہ اس کی اصلاح ہو تو ساتھ درخواست کرنی چاہئے تھی کہ امیر صاحب میری آپ سے درخواست ہے کہ حکمت کے ساتھ، معاملہ فہمی کے ساتھ اس شخص کی اصلاح فرمائیں لیکن یہ نہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے نفس کا چسکا پورا کیا ہے اور اپنے دل میں مطمئن ہو گیا کہ الحمد للہ میں نے اپنی اعلیٰ غیرت کا اظہار کر دیا۔

اب ایسا شخص عام دنیا کے حالات میں متقی بھی ہو سکتا ہے اور ہوتے ہیں اور قربانیوں کے اعلیٰ معیار پر بھی قائم ہوتے ہیں۔ صاف گو، سچائی پر قائم لیکن یہ بہت سی باریک راہیں ہیں جن راہوں کے اوپر پوری روشنی نہیں پڑ رہی ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ہمیں یہ دعا سکھائی کہ رَبَّنَآ

اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَاغۡفِرۡ لَنَا ۚ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ (التحریم:۹) یہ دعا کرتے رہو ہمیشہ کہ اے خدا ہمارا نور مکمل کرتا چلا جا کیونکہ تقویٰ کی عام راہیں تو روشن ہیں ان پر غلط قدم وہی اٹھاتا ہے جو غیر متقی اور شریر اور عمداً گناہ کرنے والا ہو لیکن جو باریک راہیں ہیں وہاں بعض دفعہ روشنی کی کمی کی وجہ سے، لاعلمی کے نتیجہ میں انسان غیر متقیانہ بات کر جاتا ہے اور اس کو پتا بھی نہیں لگتا کہ میں نے کی ہے۔ چنانچہ جو مثال میں دے رہا ہوں اس میں بعینہ یہی بات ہے۔ میں جانتا ہوں ان لوگوں کو جہاں یہ واقعہ پیش آیا۔ خدا کے فضل سے دین کے معاملے میں بڑی غیرت دکھانے والے، تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز، یعنی کھلے کھلے تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز، نمازی، پرہیز گار، دعا گو، سلسلے کی خاطر مالی قربانی کرنے والے اور اپنا وقت دینے والے لیکن ایک چھوٹی سی بات میں اپنی لاعلمی میں یا روشنی کی کمی کی وجہ سے ٹھوکر کھا گئے۔ اب یہ بات ایک ٹائم بم کے طور پر وہاں پڑی رہ گئی یعنی ایسے آتش فشاں مادے کے طور پر جس کی آتش فشانی کیفیت موجود ہے اگر چہ وہ پھٹا نہیں۔ بعد ازاں ان دونوں کا کسی معاملے میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ امیر کا اور اُس کا کسی معاملے میں خواہ وہ جماعتی ہو یا ذاتی ہوا اختلاف ہو سکتا ہے اور وہ جو پرانا ٹائم بم امیر صاحب کے دل میں محفوظ تھا اس کی یاد میں محفوظ تھا وہ اس شخص تک پہنچا دیتے ہیں جس شخص کے متعلق یہ بات ہوئی تھی۔ اب ایسے موقع پر اس امیر کی مثال بعینہ وہی ہے جو آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائی کہ تیر چلایا تھا جس پر چلایا تھا اس کے قدموں میں آ گرا اور اس کو نقصان نہیں پہنچا اور کسی پاس کھڑے ہوئے آدمی نے وہ تیر اٹھایا اور اس کے سینے میں گھونپ دیا اور اس کے نتیجے میں ایک بہت بڑا فتنہ پیدا ہو گیا۔ بہت سخت اشتعال پیدا ہوا۔

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ آغاز کس بات سے ہوا تھا؟ جس بات کا آغاز تقویٰ سے ہوا ہو اس کے نتیجے میں یہ بدیاں نہیں پیدا ہوا کرتیں اس لئے یہ بحث فضول ہے کہ کس کا قصور ہے اور کس کا نہیں ہے؟ ایسے معاملات میں دونوں کا قصور ہے۔ جس نے بات کی اور اس وقت کھول کر انہیں بیان نہیں کیا کہ میری نیت یہ ہے اور یا اس بات کو بیان کرنے سے پہلے خود اس صاحب تک پہنچ کر یہ بیان نہیں کیا کہ مجھ تک بات پہنچی ہے، مجھے صدمہ پہنچا ہے، مجھے آپ سے توقع نہیں تھی تو ان دونوں صورتوں میں وہ اپنے فرض کو صحیح ادا نہیں کر سکا اور اس نے ایک فتنے کا خطرہ مول لے لیا اور چونکہ امیر نے بھی تقویٰ سے کام نہیں لیا اور جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا واضح ارشاد تھا اس کی واضح خلاف ورزی کی اس کے نتیجے

میں یہ زخم ضرور پہنچنا تھا اور ایک فتنہ پیدا ہونا تھا جو مقدر تھا ان حالات میں اس کو پھر ٹالا نہیں جا سکتا لیکن جب یہ باتیں ہو جائیں پھر کیا کرنا چاہئے؟ یہ بھی ایسا مضمون ہے جس کے متعلق جماعت کو خوب کھول کر بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

آنحضرت ﷺ نے یہ تو فرمایا ہے کہ یکطرفہ بات سن کر کسی وقت اس کو دوسرے تک پہنچانے والے کی مثال ایسی ہی ہے جیسے تیر اٹھا کر سینے میں گھونپ دینے والے کی ہے لیکن یہ نہیں فرمایا کہ اس کے نتیجے میں اس شخص کو کیا کرنا چاہئے جس کو تیر مارا گیا ہو اس لئے یہ وہ پہلو ہے جس پر آنحضرت ﷺ کی سنت سے جہاں روشنی پڑتی ہے ان معاملات کو پیش نظر رکھ کر آپ کو نصیحت کروں۔ ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ جس کو اپنے متعلق کسی کی مخالفانہ بات پہنچے وہ بھڑک اٹھے اور جوابی کارروائی اس طرح کرے کہ وہ بات جو ابھی تک یکطرفہ ایذا رسانی کی حد تک ہے وہ دوطرفہ جنگ میں تبدیل ہو جائے۔ عفو کس بلا کا نام ہے۔ عفو اسی کو کہتے ہیں کہ ایک انسان اپنے بھائی سے دکھ اٹھائے اور خاموش رہے اور صبر کرے اور اگر انسان ایک خلق میں نقصان اٹھا بیٹھا ہے اور اس خلق کے اعلیٰ تقاضوں کو پورا نہیں کر سکا تو خدا تعالیٰ نے مومن کو اور بھی صفات عطا فرمائی ہیں۔ دوسری صفات اس کی حفاظت فرما دیتی ہیں اور کئی قسم کی مشکلات اور مصیبتوں سے وہ بچ سکتا ہے اس لئے مومن ایک طرف سے حفاظت نہیں دیا گیا ہر طرف سے حفاظت دیا گیا ہے۔ جب تک ساری دیواریں نہ ٹوٹیں اس وقت تک مومنوں کی جماعت میں فتنہ نہیں پیدا ہو سکتا۔

پس میری یہ نصیحت ہے اس شخص کو اور ساری جماعت کو جو اس قسم کے معاملات میں خدانخواستہ کبھی ملوث ہو کہ ایسے موقع پر سب سے پہلا ردعمل یہ ہونا چاہئے کہ انسان درگزر سے کام لے اور بجائے اس کے کہ بھڑک اٹھے اور اس شخص کو گالیاں دے اور پھر وہ امیر سے باتیں کرے اور امیر اور اس کے درمیان پھر توں توں میں میں ہو اور اچھی بھلی سنجیدہ جماعت جو عام دنیا کے حالات میں متقی، پرہیزگاروں کی جماعت ہے، خدا کی راہ میں خدمت کرنے والوں کی جماعت ہے۔ وہ چھوٹے چھوٹے بچوں کی طرح یا گھٹیا عورتوں کی طرح آپس میں لڑنے لگے اس کی بجائے اور بھی راہیں ہیں جو اگر اختیار کی جاتیں تو معاملہ سلجھ سکتا تھا۔ جس شخص نے یہ بات سنی تھی اس کا اوّل تو یہ فرض تھا اگر وہ خود متقی تھا کہ امیر کو کہے کہ جناب آپ مجھے یہ بات کیوں پہنچا رہے ہیں، کب آپ نے سنی

تھی؟ چھ مہینے ہو چکے ہیں۔اس وقت تک آپ اس کو دل میں پالتے رہے ہیں اب مجھے یہ بتائیں کہ کیوں مجھے بتایا جا رہا ہے۔اگر الٹ کر امیر کو وہ یہ بات کہتا تو یہ فتنہ امیر پر الٹتا اور وہ اپنی غلطی کا ذمہ دار ہوتا اور اس کو اپنا دفاع انصاف کرنا پڑتا لیکن سننے والے نے اس بات کو اس طرح سنا کہ اب موجودہ حالات میں یہ امیر مجھ سے زیادہ تعلق رکھتا ہے بہ نسبت اس شخص کے اور اب ایک تعلقات کے نئے دائرے یہاں پیدا ہوں گے۔وہ شخص جو پہلے امیر کے قریب تھا اب امیر سے دور ہو جائے گا۔اب میں امیر کے دائیں طرف آ گیا ہوں اور اس وجہ سے میں روشنی میں ہوں اور فلاں وہ اندھیرے میں ہے اب ہم دونوں مل کر اس کو سیدھا کریں گے اور اس کو اپنے ٹکانے لگائیں گے۔یہ باتیں ان الفاظ میں اس کے دل میں پیدا ہوں یا نہ ہوں جب وہ یہ یکطرفہ بات سن کر مشتعل ہو کر اس دوست کے گھر پہنچتا ہے جس کے ساتھ اس کے جس کی بیوی کے اس کی بیوی کے ساتھ تعلقات، جن کے بچے آپس میں پیار محبت کے رشتے رکھنے والے اور جا کر ان پر برس پڑتا ہے اور کہتا ہے تم کون خبیث ہو جو ایسی باتیں کرو، تم منافق ہو گے، تمہارے فلاں فلاں منافق ہوں گے۔میں کہاں سے منافق آ گیا اور یہ بات بھی نہیں سمجھتا کہ اس نے جو حرکت کی تھی وہ تھی تو منافقانہ۔

منافقت کو منافقت اس طرح قرار دینا جس کے نتیجے میں تکلیف پہنچے یہ جائز نہیں ہے۔ لیکن جس سے حرکت ہو اس کو کچھ شرمندگی تو ضرور ہونی چاہئے۔ایک دوسرا ردعمل اس کے اندر یہ پیدا ہونا چاہئے تھا کہ اس نے جو بات بیان کی ہے اگر چہ اس کا طریق درست نہیں ہے اس طرح کرنی نہیں چاہئے تھی مگر غلطی مجھ سے ہوگئی ہے اور مجھے دینی غیرت دکھانی چاہئے تھی۔اس کو چاہئے تھا کہ وہ ان تک پہنچتا اور اگر کوئی جواز تھا تو یہ بیان کرتا۔اگر کوئی جواز نہیں تھا تو تسلیم کرتا مجھ سے غلطی ضرور ہوئی ہے مگر مجھے آپ سے بھی توقع نہیں تھی کہ مجھ پر تو منافقت کا الزام لگا رہے ہیں اور آپ خود آنحضرت ﷺ کی نصیحت کو پس پشت پھینک رہے ہیں اور کوئی پرواہ نہیں کہ کیا حرکت کر رہے ہیں۔ایک ایسے بھائی کا گوشت کھا رہے ہیں جو آپ کے لئے مردہ تھا، دفاع نہیں کر سکتا تھا اور لطف کی یا تکلیف کی بات یہ ہے کہ اب یہ سہ طرفہ لڑائی شروع ہوئی ہوئی ہے اور ایک دوسرے کو یہ طعنہ دے رہے ہیں تم مردہ بھائی کا گوشت کھانے والے ہو۔حالانکہ کچھ نہ کچھ سب نے چکھا ہے۔جس نے احمدیت کے متعلق الزام تراشی سنی اور خاموش رہا اور بے غیرتی کا نمونہ دکھایا وہ بھی تو احمدیت کا گوشت کھانے والا

تھا۔اس کا فرض تھا کہ وہ مجلس سے اٹھ جاتا یا اٹھ کر دفاع کرتا۔ایک غیر احمدی کو تو توفیق مل گئی دفاع کرنے کی مگر اس کو نہیں ملی۔اس لئے اسے نرم لفظوں میں کہا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ اس کی پرورش ایسے ماحول میں ہوئی ہو جہاں اس کو ان باتوں کی سمجھ نہ ہو اور امر واقعہ یہی ہے کہ وہ شخص جس کے متعلق بات کی جاتی ہے وہ ایسے ماحول کا پرورش یافتہ ہے جہاں اس کی تربیت گہری ہو نہیں سکتی تھی۔اس کی یہ سعادت ہے کہ وہ اس ماحول کے باوجود احمدیت سے تعلق رکھتا ہے۔اس میں اور بھی کمزوریاں ہیں چھوٹی چھوٹی باتوں پر بعض اور بھی اعتراض کرتا ہے۔بعض چندوں پر اعتراض کر دیتا ہے اور ایسی باتیں کرتا ہے تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے شخص کو سنبھالنے کی کوشش کی جائے۔اس سے حسن سلوک کیا جائے، اس کی پردہ پوشی کی جائے، اس کی دل آزاریوں کو بھی برداشت کیا جائے اور کوشش کی جائے کہ وہ سنبھل جائے اور دن بدن بہتر احمدی ہوتا چلا جائے اس لئے اس پس منظر میں اس پر یہ سخت الفاظ تو صادق نہیں آتے کہ وہ منافق ہے اور وہ بے غیرت ہے مگر میں نے جو الفاظ کہے ہیں یہ ان معنوں میں کہ وہ لوگ جو تربیت یافتہ ہیں، جن کو بچپن سے احمدیت کی روایات کا علم ہے، جن کو آنحضرت ﷺ کی سنت اور کردار کا علم ہے وہ اگر ایسی بات کریں تو ان کے لئے یقیناً یہ منافقت یا بعض دفعہ غداری بھی کہا جاسکتا ہے اور دین سے بے غیرتی بھی کہا جاسکتا ہے یقیناً ان تینوں میں سے کسی چیز کے مرتکب ہوئے ہیں۔

تو بہر حال وہاں ان باتوں کو ملحوظ نہ رکھنا ایک کمزور آدمی کی کمزوری کو سمجھتے ہوئے، اس کی اصلاح کی کوشش نہ کرنا اور اس قسم کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو فتنوں کا موجب بنا لینا ایک جماعتی خودکشی کے مترادف ہے اور ایک دوسرے کے روحانی قتل کے مترادف ہے۔چھوٹی سی جماعت ہو اس میں ایسی ناپاک فضا پیدا ہو جائے اور چھوٹے چھوٹے معاملات اس قسم کے جھگڑوں تک پہنچ جائیں جہاں انفرادی طور پر ہر شخص خدا کے فضل سے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے شریعت کے تمام تقاضے پورے کرنے والا ہو۔ **یہ بات ہمیں بتاتی ہے کہ انسان ہر وقت خطرے میں ہے۔کوئی امن کی حالت میں نہیں ہے صرف خدا کا فضل ہے جو انسان کے اوپر امن کا سایہ کئے رکھے تو انسان بچ سکتا ہے** اور جیسا کہ قرآن کریم نے ہمیں متنبہ فرمایا تھا وہاں یہ نہیں فرمایا کہ شیطان چھپ کر کمزوروں کی گھات میں بیٹھتا ہے اور مومن تم اس سے بالکل بری ہو بلکہ تمام ابناء آدم کو مخاطب کیا ہے اور متنبہ فرمایا ہے کہ

دیکھو شیطان پہلے بھی تمہارے معاملات پر چھپ کر حملے کر چکا ہے، تم پر پھر بھی چھپ کر حملے کر سکتا ہے اور ضرور کرے گا۔ اس لئے شیطان کا چھپ کر حملہ کرنا سب پر عام ہے اور اس میں نیک و بد، چھوٹا بڑا سب برابر کے شریک ہیں۔ ایک وعدہ ہے قرآن کریم کا اور وہ یہ ہے کہ جو میرے بندے ہوں گے ان پر شیطان جو چاہے کرے غلبہ نہیں پا سکے گا۔

میں جماعت سے توقع رکھتا ہوں کہ ان بندوں میں شامل ہوں۔ عہدیدار ہوں یا غیر عہدیدار ہوں وہ شیطان کے حملوں سے تو نہیں بچ سکتے لیکن فراست سے، اگر مومن کی فراست سے کام لیں تو شیطان کو اس کی کمین گاہوں میں دیکھ ضرور سکتے ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے مومن کے متعلق اس توقع کا بھی اظہار فرمایا ہے کہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے، اس کی فراست سے ڈرو۔ تو وہی لوگ ہیں جو خدا کے نور سے دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں جن پر کوئی پہلو دنیا کے معاملات کا اوجھل نہیں رہتا۔ کوئی جگہ ان کی اندھیرے میں نہیں رہتی اور اس پر روشنی پڑتی رہتی ہے۔

قرآن کریم نے اسی لئے ہمیں نصیحت فرمائی کہ اس معاملے میں خدا سے مدد چاہا کرو۔ مومن ہوتے ہوئے بھی خطرہ ہے کہ تم بعض اندھیروں میں ٹھوکر کھا جاؤ۔ لاعلمی اور جہالت کے اندھیرے بھی ہیں، تمہارے اپنے نفس کی جہالت کے اندھیرے بھی ہیں، عدم تربیت کے اندھیرے بھی ہیں، تقویٰ میں کمی کے اندھیرے بھی ہیں، کئی قسم کے اندھیرے ہیں جن میں ہم نے اپنی زندگی کا سفر کرنا ہے اور خدا ہمیں متنبہ کرتا ہے کہ ان سب اندھیروں میں کہیں نہ کہیں کوئی شیطان چھپا بیٹھا ہوگا اور وہ تم پر حملہ کرے گا اور تمہیں اور تمہاری جماعت کو تباہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ تم خدا کے نور سے دیکھنا اور اگر تمہیں وہ نور پوری طرح میسر نہیں اور کسی شخص کو پوری طرح میسر نہیں آسکتا تو ضرور دعا سے اپنے لئے مدد چاہنا۔ اگر تم یہ دعا کرتے رہو گے اللہ تعالیٰ تمہارے نور کو بڑھائے گا اور تمہارے ہر اندھیرے کو روشنی میں تبدیل فرما دے گا۔ یہ وہ دعا ہے جس کے متعلق پہلے بھی میں نے جماعت کو نصیحت کی تھی۔

اس معاملے کے بقیہ پہلوؤں کو اگر ضرورت ہوئی تو میں آئندہ زیر بحث لاؤں گا ورنہ سر دست اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے۔ ہاں ایک بات ہے میں اس کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ ان سب باتوں کے باوجود پھر بھی ان لوگوں کو آپس میں لڑنے کا کوئی حق نہیں ہے اگر وہ حضرت مسیح موعود علیہ

الصلوٰۃ والسلام کی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر ان کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سچی محبت ہے، اگر وہ اس کے خلیفہ سے تعلق قائم رکھنا چاہتے ہیں تو ان کو میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ نصیحت پہنچاتا ہوں کہ سچے ہو کر جھوٹے کی طرح تذلل اختیار کرو۔ اگر تم اپنے سچے ہونے کی تعلیاں لے کر ایک دوسرے کو جھوٹے قرار دیتے رہو گے تو انسانی نفس اتنا دھوکا دینے والا ہے کہ سچے بھی ویسے ہی نظر آئیں گے جیسے جھوٹے نظر آئیں گے اور جھوٹے اور سچے میں تفریق ان جھگڑوں کے ذریعہ ہو ہی نہیں سکتی۔ پھر تم توقع رکھو گے کہ نظام جماعت تمہاری آنکھوں سے تمہارے معاملات کو دیکھے اور اگر امیر اس نظر سے نہ دیکھے تو تمہیں امیر جھوٹا نظر آئے گا۔ یہ ایک لامتناہی فتنوں کا سلسلہ ہے جو کبھی بند ہونے میں نہیں آئے گا۔

اس لئے ایک ہی نسخہ ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا کہ سچے ہو کر جھوٹے کی طرح تذلل اختیار کرو۔ تم میں سے وہ جو اپنے آپ کو سب سے زیادہ سچا اور بری الذمہ سمجھتا ہے اس کو میں نصیحت کرتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس آواز کو سن کر وہ پہل کرے اور اپنے بھائی کا جا کے دروازہ کھٹکھٹائے اور اس سے معافی مانگے اور اس سے کہے کہ میرے نفس نے جو کچھ بھی سمجھا ہے میں اس کو نظر انداز کرتا ہوں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آواز کو اپنے نفس کی آواز بنا رہا ہوں اس لئے اس آواز کی پیروی میں تم سے اس طرح معافی مانگتا ہوں گویا سارا قصور میرا تھا۔ اگر وہ یہ طریق اختیار کریں تو یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے مٹ سکتا ہے اور جو اس کے بداثرات ہیں خدا تعالیٰ کی تقدیر ان کو اس طرح مٹا دے گی جیسے ان کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ ایک نئی جماعت اور ایک نئی زندہ رہنے والی اور ہمیشہ زندہ رہنے والی جماعت اس جماعت سے نکلے گی لیکن اگر وہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں اسی طرح الجھے رہے اور اپنی سچائی کی تعلیاں بیان کرتے رہے تو نہ صرف وہ تباہ ہوں گے بلکہ ان کے اردگرد سارا ماحول تباہ ہو جائے گا۔ کچھ لوگ جو ابھی ملوث نہیں ہوئے کوئی ایک کے ساتھ ملوث ہو جائے گا کوئی دوسرے کے ساتھ ملوث ہو جائے گا اور پھر وہ امیر کو بھی ملوث کریں گے ملک کے امیر کو اور پھر مجھے شکایتیں لکھیں گے کہ اس ملک کے امیر نے بھی تقویٰ سے کام نہیں لیا۔ یہ دلائل ہمارے تھے، وہ دلائل ان کے تھے اس نے ان کی باتیں سن لیں اور ہماری نہیں سنیں۔

میں ان کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ بہت سے احمدی ہیں جن کو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ وہ جیسا کہ میں نے بیان کیا عام حالات میں متقی ہیں اور ان کی میرے دل میں بہت جگہ ہے اور بعض متقی نہ بھی ہوں تو میں ان سے آہستہ آہستہ تقویٰ کی توقع رکھتا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ وہ رفتہ رفتہ روبہ اصلاح ہیں اور ان کی بعض خوبیوں کی وجہ سے بھی ان سے گہرا تعلق رکھتا ہوں۔ اس قسم کے یہ لوگ جب آپس میں لڑ پڑیں تو ان کو یہ سوچنا چاہئے کہ میرے دل میں تینوں بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ عملاً میرے دل کو پھاڑتے ہیں۔ کیسی میری بے اختیاری کی حالت ہوتی ہے، کیسی میری تکلیف کی حالت ہوتی ہے کہ دل کا ایک ٹکڑا دوسرے ٹکڑے سے نفرت کرتا ہے اس کو دھکیل رہا ہوتا ہے۔ سوائے اس کے میں کچھ نہیں کرسکتا کہ بالآخر تینوں کو اس دل سے باہر نکال پھینکوں۔ اگر وہ اس وقت اس پر آمادہ ہیں تو پھر جو چاہے کرتے پھریں لیکن اگر وہ میرے دل میں اپنی جگہ کو قائم رکھنا چاہتے ہیں تو ان کو کوئی حق نہیں ہے کہ مجھ سے محبت رکھتے ہوئے میرے دل کے ٹکڑے کریں اور اس کو پھاڑنے کی کوشش کریں اس لئے نہ صرف یہ کہ آپ نصیحت پکڑیں اپنے ماحول کو سنبھالیں ورنہ لازماً اچھی جماعت ہونے کے باوجود یہ جماعت ہمیشہ کے لئے تنزل کا شکار ہو جائے گی اور یہ فتنہ اردگرد پھیل کر مزید جماعت کے ٹکڑے کردے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم ان فتنوں سے بچیں۔ اب یہ چھوٹی سی مثال غیبت کی تھی۔ دیکھیں کہاں سے بات نکلی کہاں تک پہنچی۔ اب آپ کو علم ہوگا کہ قرآن کریم نے کیوں اس جلال اور شان کے ساتھ آپ کو متنبہ فرمایا تھا کہ ہرگز غیبت میں مبتلا نہ ہونا یہ مردہ بھائی کے گوشت کھانے والی بات ہے۔